# شبلی کی حیاتِ معاشقہ: تحقیقی جائزہ

ڈاکٹر نسیم بانو
لیکچرار اردو، گورنمنٹ فاطمہ جناح کالج برائے خواتین، چونا منڈی، لاہور

## ROMANTIC LIFE OF SHIBLI

### AN ANALYTICAL STUSY

Naseem Bano, PhD
Lecturer in Urdu
Govt. Fatma Jinnah College(W) Chona Mandi, Lahore

**Abstract**

Allama Shibli Naumani was an eminent critic and biography writer of Subcontinent. He was also known as religious scholar. In 1945 Dr. Waheed Qureshi wrote a book named "Shibli ki Hayat-e-Muashqa", in which he applied the psycho analysis theory of Freud to the personality of Allama Shibli. Dr. Qureshi developed a thesis that as a common man, Shibli has all the feelings of mankind. He presented proofs from the poetry and letters of Allam Shibli written to Atia Faizi. This book raised a controversy among the literary circles of Urdu. This article analyses the research value of this book.

**Keywords:** Pitirim A. Sorokin, social position, novel, Sarfraz, Azmi, male discourse, Urdu, descending, ascending, acceptability

ڈاکٹر وحید قریشی کا مقالہ 'شبلی کی حیات معاشقہ' ۱۹۴۵ء میں رسالہ 'کتاب' اور ۱۹۴۸ء میں ادبی دنیا، لاہور میں شائع ہوا۔ تراہیم، اضافوں اور ضمیموں کے ساتھ کتابی صورت میں اس کی اشاعت مکتبۂ جدید، لاہور کے زیر اہتمام ۱۹۵۰ء میں عمل میں آئی۔ اپنی اشاعت کے ساتھ ہی یہ کتاب باعثِ نزاع ثابت ہوئی۔ جس کی وجہ مولانا شبلی کی مقدس ومحترم شخصیت تھی۔ مولانا شبلی ہندوستان کی علمی تاریخ میں ایک متبحر عالم دین اور سیرتِ نبویؐ کے مصنف کی حیثیت سے دیکھے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر قریشی نے شبلی کی شخصیت کو تقدس کے استھان سے اتار کر زمین پر لا کھڑا کیا اور اسے ایک فرشتہ کے بجائے ایک 'انسان' ثابت کرنے میں کام یاب ہوئے۔ ڈاکٹر قریشی کی یہ علمی کاوش صرف شبلی کی شخصیت پر ہی نہیں، مقرر اور معین اخلاقی معیارات پر بھی ایک کاری ضرب متصور کی گئی۔ چناں چہ گم نام خطوط اور دھمکیوں کے ذریعے ان کے خلاف ایک محاذ کھول دیا گیا جس کے اسباب کو نشان زد کرتے ہوئے وحید قریشی نے لکھا:

> ''جنگِ عظیم ۱۹۱۴ء سے پہلے کی یہ پود جن کے فتوے مجھ تک پہنچے، اس معاملے میں کچھ زیادہ ہی مجبور ہے کیوں کہ مشرق ومغرب کے تمدن کی آویزش میں جس چیز کا پلہ بھاری رہا وہ اخلاقی قدروں کی ظاہری پابندیوں سے ایک ان سمجھی اور ان بوجھی محبت تھی جس میں عقل سے زیادہ جذبات کو دخل ہوتا ہے، اس لیے یہ لوگ جھنجھلاہٹ میں حق بجانب ہیں۔''(۱)

ڈاکٹر قریشی نے علمی تحقیق کی جس روایت سے اکتساب کیا تھا وہ تحقیق کے جدید اصولوں پر قائم تھی۔ اس میں جذبات اور تعصبات کو دخل نہیں تھا۔ ناقدین ادب 'شبلی کی حیات معاشقہ' کو تحقیق سے زیادہ تنقید کی کتاب قرار دیتے ہیں تاہم اس کا تحقیقی پہلو بھی اہم ہے۔ اردو کی ادبی تحقیق میں 'شبلی کی حیاتِ معاشقہ' دو حوالوں سے خصوصی اہمیت رکھتی ہے۔ اوّل یہ کہ اردو ادب کی تاریخ میں یہ پہلی باقاعدہ کتاب ہے جس میں فرائیڈ کے نظریہ تحلیل نفسی کی روشنی میں کسی شخصیت کے شعری متون کا مطالعہ کیا گیا۔ وحید قریشی سے قبل میراجی اس نوع کے مطالعات کا آغاز کر چکے تھے۔ (اس نظم میں) لیکن

میراجی کے مطالعات ایک نظم تک محدود تھے۔ وحید قریشی نے شبلی کے فارسی کلام کی روشنی میں ان کی شخصیت کا نفسیاتی مطالعہ کیا اور پس پردہ ان نفسیاتی محرکات کا سراغ لگایا جو اس کی تخلیق کا سبب ہے۔ دوم اس لیے کہ 'شبلی کی حیات معاشقہ' میں تنقید اور تحقیق کے دھارے ایک ساتھ چلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ 'تحقیق اور تنقید میں چولی دامن کا ساتھ ہے' یہ فقرہ عموماً دہرایا جاتا ہے لیکن ہمارے ہاں بیسویں صدی کے نصف اوّل تک اس کی عملی مثال شاید ہی مل سکے۔ وحید قریشی نے اس کتاب میں اپنی تنقید کی اساس تحقیق پر رکھی۔ انھوں نے شبلی کے سوانحی کوائف کو مرتب کیا اور خارجی و داخلی شواہد کی بنا پر نتائج کا استخراج کیا۔ اردو میں سوانحی/تاریخی تحقیق کا آغاز بھی اس دبستان سے ہوتا ہے جس سے وحید قریشی کا تعلق ہے یعنی تحقیق کا دبستان شیرانی۔

'شبلی کی حیات معاشقہ' کا بنیادی متن تین ابواب پر مشتمل ہے:

۱۔ سوانح نگاری اور علامہ شبلی

۲۔ حالاتِ زندگی

۳۔ ۱۹۰۶ء سے ۱۹۱۲ء

آغاز میں پانچ صفحات پر مشتمل دیباچہ 'ابتدائیہ' ہے۔ کتاب کے آخر میں مصنف کا ایک مضمون 'اعتراضات اور ان کا جواب'، قاضی عبدالغفار کا ایک فکاہی کالم 'سرِ راہ' اور دو ضمیمے شامل ہیں۔

'سوانح نگاری اور علامہ شبلی' میں شبلی کی سوانح عمریوں کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ وحید قریشی کا استدلال ہے کہ شبلی کے سوانح نگار سیّد سلیمان ندوی نے شبلی کی زندگی کے بعض اہم پہلوؤں سے صرف نظر کیا ہے۔ شبلی کی پہلی سوانح عمری ان کے شاگرد خاص سیّد سلیمان ندوی نے 'حیاتِ شبلی' کے نام سے لکھی۔ سلیمان ندوی ہی نے شبلی کے خطوط 'مکاتیبِ شبلی' کے نام سے دو جلدوں میں مرتب کیے۔ سیّد سلیمان ندوی نے اخفا سے کام لیتے ہوئے اپنے استاد کی زندگی کے اہم حصے کو مصلحتاً نظر انداز کر دیا۔ اس طرح خطوط ترتیب دیتے وقت بھی ایسے خطوط سے صرف نظر کیا جن سے شبلی کی زندگی کے رنگین دور پر نظر پڑتی ہے۔ شبلی کی زندگی کا یہ رنگین دور ۱۹۰۶ء سے ۱۹۱۲ء تک پھیلا ہوا ہے۔

مشاہیر ادب سے قریبی روابط کی وجہ سے عطیہ فیضی کی شخصیت شہرت کی حامل ہے۔ عطیہ فیضی یکم اگست ۱۸۷۷ء کو استنبول (ترکی) میں پیدا ہوئیں۔ جہاں ان کے والد حسن آفندی بسلسلہ تجارت مقیم تھے اور سلطان کے دربار میں کافی اثر ورسوخ رکھتے تھے۔ والد کی وفات کے بعد عطیہ فیضی اپنے خاندان کے ہمراہ بمبئی آ گئیں۔ شبلی کی عطیہ سے پہلی ملاقات ترکی میں ہوئی، جب وہ بمبئی آ گئیں تو ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ شبلی نے عطیہ فیضی اور ان کی بہن زہرا بیگم کے نام جو خطوط لکھے ان کا دورانیہ ۱۹۰۷ء سے ۱۹۱۴ء تک کا ہے۔ ان خطوط میں شبلی نے اپنے دلی جذبات کا اظہار کیا ہے۔ سیّد سلیمان ندوی نے 'مکاتیبِ شبلی' (۲) میں عطیہ فیضی کے نام خطوط شامل نہیں کیے۔ بعد میں یہ خطوط محمد امین زبیری نے عطیہ فیضی سے حاصل کیے اور عطیہ فیضی کی اجازت سے چھاپے۔ یہ خطوط مولوی عبدالحق کے مقدمے کے ساتھ 'خطوطِ شبلی' کے نام سے شمسی پریس آگرہ سے شائع ہوئے۔ سیّد سلیمان ندوی نے ارادتاً 'حیاتِ شبلی' اور 'مکاتیبِ شبلی' میں شبلی کی زندگی کے اس پہلو پر پردہ پوشی کی اور ایسے خطوط حذف کر دیے جن سے حیاتِ شبلی کا یہ پہلو آشکارا ہوتا تھا۔ حال آں کہ 'مکاتیبِ شبلی' جلد اوّل کے دیباچے میں انھوں نے لکھا ہے:

> ''علمی شخصیت کی ایک ایک چیز علمی ہوتی ہے۔ اس کے قلم کا ایک ایک لفظ بحرِ ادب کا ایک ایک موتی ہوتا ہے اور گھنٹوں کی جان کاہیوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس بنا پر اگر اس کے لٹریچر کا ایک حرف بھی مٹ جائے تو نہ صرف اس کی محنتوں کا ایک کثیر حصہ ضائع ہو جائے گا بلکہ دنیائے علم سے بہت سی علمی مخلوقات معدوم ہو جائیں گی۔ مسلمانوں نے اسی علمی قدردانی کے خیال سے اکثر علما کے خطوط روزمرہ اور مکاتیب تک محفوظ رکھے ہیں۔'' (۳)

مکاتیبِ مشاہیر کی اہمیت کے اس اعتراف کے باوجود 'مکاتیبِ شبلی' جلد اوّل کے دیباچے میں سیّد صاحب کی درج ذیل رائے حیران کن ہے:

> ''آخر میں مجھ کو خطوط کے انتخاب میں جو اصول مرعی رہا اس کو بھی ظاہر کر دینا

چاہیے۔ میں نے صرف ان خطوط کوانتخاب کیا ہے جن سے یا تو مولانا کے ذاتی سوانح کا کوئی واقعہ ظاہر ہوتا ہے یا ان میں کسی علمی، اصلاحی اور قومی مسئلے کا ذکر ہے یا انشا پردازی کا ان میں کوئی نمونہ موجود ہے۔''(۴)

سیّد سلیمان ندوی کا یہی رویہ 'حیاتِ شبلی' کی تالیف میں بھی نظر آتا ہے۔ انھوں نے 'حیاتِ شبلی' میں سے اس اہم واقعے کونظر انداز کردیا ہے۔''خطائے بزرگاں گرفتن خطااست'' کامعاملہ دوسرا ہے۔لیکن سوانح نگاری کا تقاضا ہے کہ صاحبِ سوانح کی زندگی کی مکمل تصویر پیش کی جائے۔ اس کی زندگی کے مثبت اور منفی پہلوؤں کو مدنظر رکھا جائے۔عقیدت، احترام یا کسی قسم کا تعصب راہ پائے گا تو سوانح عمری یا تو مدح سرائی بن جائے گی یا تنقیصِ محض کا درجہ اختیار کرلے گی۔ اردو سوانح نگاری کی تاریخ میں مولانا شبلی کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ اردو میں سوانح نگاری کے آغاز کا سہرا مولانا حالی کے سر باندھا جاتا ہے لیکن الفاروق، المامون، النعمان اور سیرت النبیؐ میں علامہ نے سوانح نگاری کا وہ قابلِ تقلید معیار قائم کیا جو آج بھی قابلِ اعتبار سمجھا جاتا ہے۔

مولانا شبلی نعمانی نے سوانح نگاری کے اصولوں کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ وہ مغربی سوانح نگاروں بالخصوص کارلائل اور گبن سے متاثر تھے جس کا اظہار انھوں نے اپنی مختلف تحریروں اور مکاتیب میں بھی کیا ہے۔ اس باب میں بھی ان کا زاویۂ نظر مشرقی سوانح نگاروں سے مختلف تھا۔ بقول شیخ محمد اکرام:

''ان کی رائے تھی کہ سیرت نگار کو صاحبِ سیرت کی زندگی کے ہر پہلو کو دکھانا چاہیے۔ سیاہ بھی اور سفید بھی۔ روشن بھی تاریک بھی۔ وہ ان لوگوں کے مخالف تھے جو کسی کے ''معائب دکھانے کو تنگ خیالی اور بدطینتی'' سمجھتے ہیں۔''(۵)

یہی وجہ ہے کہ مولانا حالی کی 'حیاتِ جاوید' کے بارے میں انھوں نے سخت رائے کا اظہار کیا اور اسے ایک 'مدلل مداحی' قرار دیا۔ مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

''حیاتِ جاوید میں مولانا نے سیّد صاحب کی یک رخی تصویر دکھائی ہے۔ اکثر لوگوں کا یہ خیال ہے کہ کسی کے معائب دکھانا تنگ خیال اور بدطینتی ہے لیکن اگر

یہ صحیح ہو تو موجودہ یورپ کا مذاق اور علمی ترقیاں سب برباد ہو جائیں پھر ایشیائی شاعروں میں کیا برائی ہے سوائے اس کے کہ وہ محض دعویٰ کرتے تھے۔ واقعات کی شہادت پیش نہیں کرتے تھے۔ بہر حال میں حیاتِ جاوید کو محض مدلل مداحی سمجھتا ہوں۔" (٦)

مولانا شبلی خود تو سوانح نگاری کے ضمن میں اس قدر سخت اصولوں کے قائل تھے لیکن ان کے سوانح نگاروں نے ان کے بیان کردہ ضوابط سے انحراف کیا اور شبلی کی زندگی کی یک رخی تصویر پیش کرنے پر ہی اکتفا کر لیا۔ وحید قریشی نے سیّد سلیمان ندوی اور دوسرے محققین کے اقتباسات اور شبلی کے خطوط سے ثابت کیا ہے کہ شبلی کی سوانح لکھتے ہوئے سیّد سلیمان ندوی نے پردہ پوشی سے کام لیا ہے۔ وہ اسے سیّد سلیمان ندوی کی ادبی خیانت قرار دیتے ہیں۔ (٧) کتاب میں اس باب کی تحقیق کا مقصد ان کے اس تھیسس کو جواز اور تقویت فراہم کرنا ہے جو انھوں نے شبلی کی حیاتِ معاشقہ کے بارے میں قائم کیا ہے۔

کتاب کا دوسرا باب "حالاتِ زندگی" کے عنوان سے ہے جس میں وحید قریشی نے شبلی کی زندگی کے اہم واقعات پر تحقیق کی ہے۔ ان حقائق کی جمع آوری سے وہ ان محرکات کا پتا لگانا چاہتے ہیں جنھوں نے شبلی کی شخصیت کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔ اس مضمون کے آغاز میں وہ لکھتے ہیں:

دیکھنا یہ ہے کہ شبلی کی شخصیت کن ادوار سے گزری۔ انھوں نے ہر دور سے کیا اثر قبول کیا اور بمبئی پہنچتے پہنچتے ان کی طبیعت نے کون سا رنگ اختیار کیا۔ اس لیے ہمیں ان کی تمام گزشتہ زندگی کو دیکھنا ہوگا۔" (٨)

وحید قریشی، شبلی کی سوانح بیان نہیں کر رہے اس لیے انھوں نے صرف حیاتِ شبلی کے چیدہ چیدہ واقعات کو بیان کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ شبلی کے اپنے چھوٹے بھائی مہدی سے تعلقات اچھے نہیں رہے کیوں کہ شبلی کی تعلیم و تربیت مشرقی طرز پر ہوئی تھی لیکن ان کے والد نے ان کے چھوٹے بھائیوں کو انگریزی تعلیم دلائی جس کی وجہ سے شبلی کے اندر احساسِ کمتری پیدا ہو گیا اور ان کے دل میں چھوٹے

بھائیوں کے لیے ہمیشہ مخاصمت کا جذبہ رہا۔ڈاکٹر قریشی کے مطابق دوسرا اہم واقعہ جس نے شبلی کے ذہن کو متاثر کیا وہ شبلی کے والد کی دوسری شادی تھی۔انھیں اپنی والدہ سے شدید محبت تھی اس واقعہ کے بعد وہ اپنی سوتیلی والدہ اور والد سے تمام عمر نفرت کرتے رہے۔اس واقعے کو شیخ محمد اکرام نے یوں بیان کیا ہے:

''شبلی اور شبلی کی والدہ پر اس واقعہ کا بڑا اثر ہوا......باپ کا یہ فعل سخت ناگوار تھا۔ والد کی ساری زندگی میں انھوں نے سوتیلی ماں سے بات نہیں کی۔ اس کے گھر نہیں گئے اور جب باپ کی وفات کے بعد وہ اپنی سوتیلی والدہ سے وہ جائیداد، جو اسے ان کے والد دے گئے تھے بخشوانے گئے (اور وہ باہمت خاتون نہایت فیاضی سے خاندانی مصلحتوں کی خاطر، اپنے حقوق سے دست بردار ہوگئی) تب بھی اس کا ذکر خطوں میں ''چھاؤنی'' کہہ کر نہایت کراہت سے کیا ہے۔''(۹)

وحید قریشی کے مطابق علامہ شبلی، وکالت، سرکاری ملازمت اور زمینداری میں اس لیے ناکام رہے کہ یہ کام ان کے مزاج سے لگا نہ کھاتے تھے۔انھوں نے والد کی خواہش یا روزگار کی تلاش میں یہ کام کیے ضرور لیکن ان کا دل نہ لگا اس لیے کامیاب نہ ہوسکے۔ان کی قابلیت کا اصل جوہر علی گڑھ آکر کھلا۔لیکن یہاں بھی وہ زیادہ دیر نہ ٹک سکے۔سرسیّد کے اثر صحبت سے ان کے سخت مذہبی اعتقادات میں قدرے لچک آگئی تھی۔وہ سرسیّد احمد خان سے برابری کے خواہش مند تھے لیکن ان کی یہ خواہش پوری نہ ہوسکتی تھی جس کی وجہ سے ان کی شخصیت نے ایک اور رخ اختیار کرلیا۔دراصل شبلی کی انا انفرادیت کی طرف مائل تھی۔انھیں اندیشہ تھا کہ سرسیّد کے زیرِ سایہ ان کی انفرادی پہچان مسخ ہوجائے گی اسی سبب سے وہ بعد میں سرسیّد اور علی گڑھ تحریک سے علیحدہ بھی ہوگئے تھے۔شبلی کے بھائی کے پوتے محمد اسحاق نعمانی نے اس صورت حال کی صحیح عکاسی کی ہے، لکھتے ہیں:

''وہ ایک ایک اینٹ جوڑ کر محل تک بنا سکتے تھے۔مگر محل کا نقشہ نہیں بنا سکتے تھے۔ سرسیّد اور شبلی میں بنیادی فرق یہی ہے۔سرسیّد معمار تھے اور شبلی مزدور۔اس لیے جب شبلی نے دوسرا سرسیّد بننے کی کوشش کی تو ناکام رہے۔''(۱۰)

اسی دوران مولانا شبلی کی زندگی میں کچھ اور اہم واقعات رونما ہوئے۔۱۹۰۰ء کے قریب ان کی پہلی بیوی کا انتقال ہو چکا تھا۔اپنے بیٹے کی مخالفت کے باوجود انھوں نے ایک کم سن لڑکی سے دوسری شادی کر لی۔۱۹۰۵ء میں اس خاتون کا بھی انتقال ہوگیا۔وحید قریشی کے مطابق مولانا کا مزاج ان دنوں بڑا رومانی تھا۔انھی دنوں میں عطیہ فیضی اور ابوالکلام آزاد سے ان کے عشق کا آغاز ہوتا ہے۔ ندوۃ العلما کے چندے اور بعض دوسرے کاموں کے سلسلے میں انھیں بمبئی جانا پڑتا تھا۔جہاں عطیہ فیضی سے ملاقاتیں بھی ہوتی تھیں۔بمبئی کی رنگینیوں نے مولانا کی شخصیت پر گہرے اثرات مرتب کیے جس کا اظہار ان کے فارسی کلام میں بھی ہوتا ہے۔یہاں وحید قریشی نے ستمبر ۱۹۰۶ء میں لکھے گئے مولانا کے درج ذیل اشعار نقل کیے ہیں جس سے مولانا کے جذبات اور تاثرات کا علم ہوتا ہے۔

نثار بمبئی کن ہر متاعِ کہنہ و نو را
طرازِ مسند جشید و فر تاجِ خسرو را
بہر سو از ہجوم دلبرانِ شوخ ولی پر وا
گذشتن از سر رہ مشکل افتاد است رہرو را
نغان از گرمئی ہنگامہ خوبانِ زردشتی
بہم آمیختہ از زلف و عارض ظلمت و ضو را
''بدہ ساقی مئی باقی کہ درجنت نخواہی یافت''
کنارِ آب چوپاٹی و گلگشت اپالو را(۱۱)

۱۱دسمبر ۱۹۰۶ءکومہدی افادی کے نام علامہ شبلی ایک خط میں لکھتے ہیں:

''۱۹برس کے بعد غزل لکھنے کا اتفاق ہوا۔یہاں کی دلچسپیاں غضب کی محرک ہیں، آدمی ضبط نہیں کرسکتا، اپالو یہاں ایک عجیب سیر گاہ ہے اور چوپاٹی اس کا جواب ہے، خواجہ حافظ کے مصرعہ کو یوں بدل دیا ہے۔کنارِ آب چوپاٹی وگلگشت اپالورا۔

اس غزل کا ایک شعر یہ ہے:

بہر سو از ہجوم دلبران شوخ بے پروا
گزشتن از سر رہ مشکل افتادست رہرو را

تین چار غزلیں لکھیں جو کبھی آپ کی نظر سے گزریں گی۔'' (۱۲)

وحید قریشی نے شبلی کے فارسی اشعار اور خطوط کے اقتباسات سے حیاتِ شبلی کے اس اہم پہلو کو ثابت کیا ہے۔ بمبئی کی رنگینیوں میں عطیہ فیضی کے علاوہ ابو الکلام کا عشق بھی شامل ہے۔ ابو الکلام آزاد سے شبلی کی محبت کے حوالے سے ڈاکٹر قریشی نے سوانحی و تاریخی تحقیق کے اصولوں کو پیشِ نظر رکھ کے نتائج کا استخراج کیا ہے۔ انھوں نے مولانا ابو الکلام آزاد کے بیانات، شبلی سے ان کی ملاقات اور خط کتابت کی تاریخوں اور سیّد سلیمان ندوی کے اقتباسات سے ثابت کیا ہے کہ مولانا آزاد سے شبلی کا تعلق محض استاد شاگردیا ارادت مندی کا نہ تھا بل کہ اس میں شبلی کے دلی جذبات بھی شامل تھے تاہم وہ حتمی نتیجہ یہ نکالتے ہیں کہ ''کیا ہم جنس اور شہوانیت کو ہم معنی سمجھ سکتے ہیں؟ میرا خیال ہے ہرگز نہیں۔ مولانا کی محبت جنس ہے شہوانیت نہیں۔'' (۱۳)

کتاب کے تیسرے باب کا عنوان ''۱۹۰۶ء سے ۱۹۱۲ء'' ہے۔ اس باب میں ڈاکٹر قریشی نے مولانا شبلی کے خطوط اور فارسی اشعار کے ذریعے ان کی زندگی کے رنگین پہلو کو آشکار کیا ہے۔ کتاب کا یہ حصہ تنقیدی ہے جس میں فرائیڈ کے نظریہ تحلیل نفسی کی روشنی میں مولانا شبلی کی فارسی شاعری کا جائزہ لیا گیا اور ان محرکات تک رسائی کی کوشش کی گئی ہے جو تخلیق شعر کا باعث بنے۔ پہلے دو ابواب میں شبلی کی زندگی کے حوالے سے کی گئی تحقیق کا مقصد بھی اسی باب کے تنقیدی رنگ کو جواز فراہم کرنا تھا۔ تاہم اشعار کا زمانہ تخلیق اور خطوط کے اقتباسات کی تحقیق، مصنف کے تحقیقی شعور کا پتا دیتی ہے۔ اس باب کا آغاز سلطان حیدر جوش کے اس بیان پر اعتراض سے ہوتا ہے جس میں انھوں نے مولانا شبلی کے قلبی ہیجان کا زمانہ آغاز مولانا کے پاؤں کٹنے کے واقعے سے بعد کو قرار دیا ہے۔ وحید قریشی معترض ہیں کہ شبلی کو ''حادثہ گذندپا'' ۱۹۰۷ء میں پیش آیا جب کہ ان کی شاعری میں یہ رنگ اس سے پہلے نظر آنے لگا۔

حوالے کے طور پر مصنف نے ستمبر ۱۹۰۶ء میں کہے گئے شبلی کے درج ذیل اشعار پیش کیے ہیں:

چند بی ہودہ بہ بند غم دنیا باشم
زیں سپس با قدح و بادہ و مینا باشم
جبہ سائی حرم کعبہ چو بودم یک چند
بر در بت کدہ ہم ناصیہ فرسا باشم (۱۴)

یہ اشعار شبلی کے فارسی مجموعہ 'دستۂ گل' کی غزلوں سے لیے گئے ہیں۔ جن کے بارے میں شیخ محمد اکرام کا بیان ہے کہ یہ غزلیں ستمبر ۱۹۰۶ء میں بمبئی میں یا بمبئی سے جاتے وقت لکھی گئیں (۱۵) مگر شیخ اکرام اس طرح کے اشعار سے کسی خاص قسم کا نتیجہ نکالنے کے حق میں نہیں ہیں۔ چناں چہ وہ لکھتے ہیں:

''اس قسم کے اشعار دیکھ کر مسٹر عبدالوحید قریشی جنھوں نے ''شبلی کی حیات معاشقہ'' پر رسالہ کتاب بابت اپریل ۱۹۴۵ء میں ایک تفصیلی مضمون لکھا ہے رقم طراز ہیں ''اگر مولانا کا عشق اوّل اوّل حجاب کی منزل میں تھا تو جنسی پہلو بھی ابتدا ہی سے نمایاں تھا'' ہمارا خیال ہے کہ اس قسم کے اشعار کو شبلی کے لکھنوی مذاقِ شعر کا نتیجہ سمجھنا چاہیے۔ انھوں نے کئی چشموں سے فیض حاصل کیا تھا اور اخیر میں عام طور پر ان کا مذاق بے حد سلجھ گیا تھا۔ لیکن ان کی ابتدائی تربیت اودھ پنچ اور پیام یار کے صفحات سے ہوئی تھی اور یہ اثر اخیر تک کچھ نہ کچھ قائم رہا۔ چناں چہ ذیل کے اشعار سے شبلی کی محبت کے جنسی یا غیر جنسی پہلوؤں پر رائے قائم کرنا صحیح نہیں۔ ان میں وہ فقط ہماری شاعری کی بعض سقیم اور مبتذل روایات کو نباہ رہے ہیں۔'' (۱۶)

حیرت ہے کہ شیخ محمد اکرام ستمبر ۱۹۰۶ء میں لکھی گئی غزلوں میں کسی خاص ذاتی واردات کا سراغ لگانے پر معترض ہیں اور اس شعری رنگ کو مولانا شبلی کے شعری ارتقا کا جواز فراہم کرتے ہیں۔ مگر اپنی کتاب کے اگلے ہی صفحے پر دسمبر ۱۹۰۷ء اور ۱۹۰۸ء میں کہے گئے اشعار میں کسی 'ماہِ تمام' کی پرستش کا

ذکر کرتے ہیں۔ یہاں وہ ڈاکٹر قریشی کے تحقیقی استدلال کی تائید کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ 'دستۂ گل' کی غزلوں کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

''غزلوں کا زیادہ حصہ وہ ہے جو دسمبر ۱۹۰۷ء میں بمبئی واپس جا کر لکھا گیا۔ پہلی دو تین غزلیں تو ایسی ہیں جو آسمانِ بمبئی کے عام پر سوادِ منظر اور اختر و نجوم کی فراوانی کا بیان ہیں لیکن چوتھی غزل دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ اب اس آسمان پر ایک ماہتاب نمودار ہو گیا ہے اور مولانا کے اشعار، عام شاعرانہ جذبات کا اظہار نہیں بل کہ کسی ماہ تمام کی پرستش کے گیت ہیں...... ستمبر ۱۹۰۶ء میں تو شبلی کو ماہِ تمام کی فقط ایک آدھ جھلک نظر آئی تھی لیکن ۱۹۰۷ء کے آخر اور ۱۹۰۸ء کے شروع میں انھیں موقع ملا کہ وہ آرام و اطمینان سے اس کی ضیا باریوں سے حظ اٹھائیں۔''(۱۷)

ڈاکٹر قریشی لکھتے ہیں کہ عطیہ فیضی کے خاندان سے مولانا شبلی کے تعلقات کا آغاز مئی ۱۸۹۲ء میں ہوا جب وہ قسطنطنیہ گئے۔ ''غالباً اس وقت عطیہ ایک آدھ برس کی بچی تھیں۔''(۱۸) ڈاکٹر قریشی کے اس بیان کی تصدیق عطیہ فیضی کے اس مضمون سے ہوتی ہے جو انھوں نے ''مولانا شبلی اور خاندانِ فیضی'' کے عنوان سے لکھا اور جو 'ادبی دنیا' جولائی اگست ۱۹۴۶ء میں شائع ہوا۔ ڈاکٹر قریشی نے اس مضمون سے اقتباس بھی بطور حوالہ شامل کیا ہے لیکن یہاں ڈاکٹر قریشی سے ایک تحقیقی غلطی ہوئی ہے۔ ان کے خیال میں مئی ۱۸۹۲ء میں عطیہ فیضی ایک آدھ برس کی بچی تھیں۔ عطیہ فیضی کی تاریخ پیدائش ۱۸۷۷ء ہے(۱۹) اس حساب سے عطیہ کی عمر ایک آدھ برس نہیں بل کہ تقریباً پندرہ برس بنتی ہے۔ عطیہ فیضی کے مضمون سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ عطیہ کو شبلی سے پہلی ملاقات یاد تھی۔ بہ قول عطیہ فیضی: ''مولانا شبلی کی جب ہم سے پہلی ملاقات ہوئی ہے تو ہمارے درمیان کوئی اجنبیت نہ تھی''(۲۰) یعنی عطیہ فیضی کے ذہن میں پہلی ملاقات کا نقش موجود تھا۔ ایک آدھ برس کی بچی کا حافظہ اتنا نہیں ہو سکتا کہ وہ کسی ملاقات کو محفوظ رکھ سکے۔ ڈاکٹر قریشی نے مولانا شبلی اور مولانا ابو الکلام آزاد کے تعلقات اور

عطیہ فیضی کے علامہ اقبال سے روابط کو بھی اپنی تحقیق سے ثابت کیا۔ ان کے مطابق شبلی کا عطیہ فیضی سے یک طرفہ معاشقہ عطیہ فیضی کے ایک آرٹسٹ رحمین سے شادی پر منتج ہوا۔ یہ واقعہ ۵ دسمبر ۱۹۱۲ء کو پیش آیا۔ اس کے بعد بھی ان کے خاندانِ فیضی سے روابط رہے لیکن جذبات میں وہ گرمی نہ رہی۔ مولانا شبلی کا رابطہ عطیہ کے شوہر سے بھی رہا۔ ۲۰ اگست ۱۹۱۳ء کو آزاد کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

''ہاں عطیہ فیضی کے یہودی شوہر نے جو آرٹسٹ ہے میری تصویر ہاتھ سے کھینچی ہے ابھی پوری تیار نہیں ہوچکی۔ میں اس کا فوٹو لے کر آپ کو بھیجوں گا۔''(۴۱)

'شبلی کی حیاتِ معاشقہ' کی اشاعت ہنگامہ خیز ثابت ہوئی اور علمی حلقوں میں ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی مخالفت اور حمایت میں دلائل دیے گئے۔ اس بحث کا مرکز نیاز فتح پوری کا رسالہ 'نگار' تھا۔ اس بحث میں سب سے اہم مضمون ''حامد حسن قادری'' کا تھا جس میں انھوں نے شبلی نعمانی کو ایک صوفی ثابت کرنے کی کوشش کی۔ علاوہ ازیں سیّد سلیمان ندوی کا خط بھی اہم ہے جو 'نگار' میں شائع ہوا۔

''اعتراضات اور ان کے جواب''میں ڈاکٹر قریشی نے ان اعتراضات کا مدلل جواب دیا۔ یہاں انھوں نے عطیہ فیضی کے مضمون 'مولانا شبلی اور خاندانِ فیضی'' سے طویل اقتباس پیش کیا ہے جس کے بعد اعتراض کی گنجایش باقی نہیں رہتی۔ کتاب کے آخر میں دو ضمیمے ہیں۔ پہلا ضمیمہ سیّد سلیمان ندوی کے 'نگار' میں چھپنے والے خط پر مشتمل ہے جب کہ دوسرے ضمیمے میں رئیس احمد جعفری کا عطیہ فیضی سے متعلق مختصر مضمون شامل ہے۔

'شبلی کی حیاتِ معاشقہ' میں ڈاکٹر قریشی نے تحقیق کا اعلیٰ معیار قائم کیا ہے۔ انھوں نے خطوط کے سنہ تحریر اور اشعار کے سنہ تخلیق میں مطابقت پیدا کرتے ہوئے درست تحقیقی نتائج نکالے ہیں۔ وحید قریشی نے شبلی کے خطوط اور فارسی اشعار بہ کثرت نقل کیے ہیں۔ مکاتیبِ شبلی جلد اوّل، دوم، خطوطِ شبلی اور شبلی کے فارسی کلیات سے موازنہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے مکمل ادبی دیانت داری کا ثبوت دیا ہے۔ کسی لفظ کو حذف کیا ہے نہ بیانات کو توڑ مروڑ کر اپنی مرضی کے نتائج نکالنے کی کوشش کی ہے۔ اس کتاب کی واحد تحقیقی خامی نامکمل حوالے ہیں۔ پوری کتاب میں صرف چار مقامات پر پاورق

میں وضاحتی حاشیے دیے گئے ہیں۔ کتاب میں خطوط کے اقتباسات اور اشعار کثرت سے آئے ہیں؛ مختلف کتابوں سے اقتباسات نقل کیے گئے ہیں لیکن ان کا مکمل حوالہ موجود نہیں۔ کچھ مقامات پر کتابوں کے نام دیے گئے ہیں لیکن صفحہ نمبر درج نہیں نہ ہی یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ کتاب کہاں سے اور کب شائع ہوئی؟ خطوط کے اقتباسات کے ساتھ ان کا سنہ تحریر تو درج ہے مگر یہ نہیں بتایا کہ یہ خط کس کتاب سے لیا گیا ہے۔ کتاب میں سنین کی بھرمار ہے لیکن ان کا ماخذ معلوم نہیں۔ شبلی کے حالاتِ زندگی کا ماخذ بھی نہیں بتایا گیا۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۹۵۰ء میں شائع ہوئی۔ ممکن ہے اس وقت حوالہ نگاری کا جدید طریقہ رائج نہ ہو، تاہم مصنف، کتاب اور صفحہ نمبر دینے کا رواج اس وقت بھی عام تھا۔

☆☆☆☆☆

## حوالہ جات


(۱) ڈاکٹر وحید قریشی، شبلی کی حیاتِ معاشقہ، لاہور، مکتبہ جدید، بار اوّل ۱۹۵۰ء، ص ۹

(۲) عطیہ فیضی، ''مولانا شبلی اور خاندان فیضی''، مشمولہ شبلی نامہ، بمبئی: تاج آفس، س۔ن، ص ۲۴۷

(۳) سیّد سلیمان ندوی، (مرتب) مکاتیب شبلی (جلد اوّل)، اعظم گڑھ: دار المصنفین، س۔ن، ص ا

(۴) سیّد سلیمان ندوی، مکاتیب شبلی (جلد دوم)، اعظم گڑھ: دار المصنفین ۱۹۷۱ء، ص ۳

(۵) شیخ محمد اکرام، شبلی نامہ، بمبئی: تاج آفس محمد علی روڈ، س۔ن۔ ص ۵

(۶) مولانا شبلی نعمانی مکتوب بنام ''مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی''، مشمولہ مکاتیب شبلی (جلد اوّل)، ص ۱۴۲

(۷) ڈاکٹر وحید قریشی، شبلی کی حیاتِ معاشقہ، ص ۱۷

(۸) ایضاً، ص ۲۵

(۹) شیخ محمد اکرام، شبلی نامہ، ص ۲۱، ۲۲

(۱۰) بحوالہ ڈاکٹر کمال احمد صدیقی، ''شبلی اور سرسیّد''، مشمولہ شبلی کی علمی و ادبی خدمات (مرتبہ خلیق انجم)، نئی دہلی: انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۹۶ء، ص ۴۹

(۱۱) بحوالہ ڈاکٹر وحید قریشی، شبلی کی حیاتِ معاشقہ، ص ۳۶۔۳۷

(۱۲) مولانا شبلی نعمانی مکتوب بنام مہدی افادی محررہ ۱۱/دسمبر ۱۹۰۶ء، مشمولہ مکاتیب شبلی جلد دوم ص ۲۰۷

(۱۳) ڈاکٹر وحید قریشی، شبلی کی حیاتِ معاشقہ، ص ۲۵

(۱۴) بحوالہ ڈاکٹر وحید قریشی، ایضاً، ص ۲۸

(۱۵) شیخ محمد اکرام، شبلی نامہ، ص ۱۵۲

(۱۶) ایضاً، ص ۱۵۱

(۱۷) ایضاً، ص ۱۵۲۔۱۵۳

(۱۸) ڈاکٹر وحید قریشی، شبلی کی حیات معاشقہ، ص ۵۰

(۱۹) محمد یامین عثمان، ''علامہ شبلی اور عطیہ فیضی کے روابط''، مشمولہ مباحث، لاہور: شمارہ نمبر ا جنوری تا جون ۲۰۱۲ء ص ۳۲۲

(۲۰) عطیہ فیضی، ''مولانا شبلی اور خاندان فیضی'' ص ۲۸۳

(۲۱) مولانا شبلی نعمانی مکتوب بنام مولانا ابو الکلام آزاد، محررہ ۲۰/اگست ۱۹۱۳ء مشمولہ مکاتیب شبلی، جلد اوّل، ص ۲۷۸